© rasailojaraid.com

جواب دیا: ''جو کچھ قیصر کا حصہ ہے وہ قیصر کو دیا جائے اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دیا جایے''۔(متی، ۲۲:۱۷)

ایک مملکت کا اپنے شہریوں پر یقینی استحقاق ہوسکتا ہے۔ یہاں قیصر سے مراد وہ قوانین ہیں جو حکومت بناتی ہے۔شہریوں کا فرض ہے کہ وہ ان قوانین کا احترام کریں۔ ٹیکس ادا کرنا اس کی ایک مثال ہے۔ایک حکومت اپنے شہریوں کو مختلف سہولیات مہیا کرتی ہے، چنانچہ شہریوں کو چاہئے کہ وہ اس کے بدلے میں ٹیکس ادا کریں۔

البتہ بعض اوقات حالات کی مناسبت سے کچھ حدود و قیود ہوسکتی ہیں، جن میں رہ کر ایک حکومت اپنے شہریوں سے مطالبہ کرسکتی ہے۔اسی طرح'' خدا کو دو'' دراصل اس بات کی وضاحت ہے کہ حکومت کی اطاعت کس حد تک کرنی ہوگی؟ کیوں کہ کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کا تعلق صرف خدا سے ہوتا ہے، جب کہ حقیقی بادشاہت صرف اسی کی ہے۔سب سے اعلیٰ وفاداری صرف خدا کے ساتھ کی جائے، یہی عیسائیت کا درس ہے۔

تعلیماتِ مسیح سے عیسائیوں کا انحراف

حضرت عیسیٰؑ کی سادہ، پرامن اور فطری تعلیمات بلاشک وشبہ اسی وقت تک محفوظ رہیں جب تک سینٹ پال نے مسیحیت قبول نہ کرلی۔ ان سادہ تعلیمات میں اس قدر وضاحت نہ تھی جس کی روشنی میں زندگی کے اہم مسائل سلجھائے جاسکتے۔سینٹ پال کی جاہلی خرافات اور لغویات کی آمیزش نے مسیحیت کے سچے پیغام کی وہ خوف ناک تشریح کی جس سے بالآخر مسیحیت چند بے جان مراسم اور بے کیف عقائد کا نام ہی رہ گئی۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی مشہور تصنیف 'انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر' میں لکھا ہے:

> 'چھٹی صدی میں مسیحیت کے احوال میں مشہور زمانہ عیسائی مورخ اور مترجم قرآن 'سیل' لکھتا ہے کہ مسیحیوں نے بزرگوں اور مسیح کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجسموں کی پرستش میں اس حد تک غلو کیا کہ رومن کیتھولک عیسائی بھی ایسا نہ کر پائے تھے۔ اسی غلو کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر نفس مذہب اور حکومتی مباحث ایسے ابھرے کہ بے نتیجہ اختلافات کی شورش نے پوری قوم کو الجھا کر اس طرح رکھ دیا کہ اس کا انجام بڑے خوں ریز جنگی معرکوں کی شکل میں سامنے آیا۔ مخالفین مذہب کو سزائیں اس حد تک دی گئیں کہ اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ متضاد مذہب کے پیروکار قیرس (cyrus) کی نیابتِ مصر کے دس سال کی تاریخ وحشیانہ سزاؤں اور لرزہ خیز مظالم کی داستانوں سے لبریز ہے" ۴۔

ایک مشہور مسیحی مصنف رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے:

"پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی رہی، جو کہ تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی چلی جارہی تھی۔ اس دور کی وحشت و بربریت زمانہ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی ہوئی تھی، کیوں کہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی جس کے نشانات مٹ رہے تھے اور جس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی۔ وہ مما لک، جہاں پر تمدن برگ و بار لایا تھا اور گزشتہ زمانہ میں اپنی ترقی کو پہنچ چکا تھا، جیسے اٹلی، فرانس، مگر اب وہاں طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔ ۵۔

امن کا یہ قتل اور مسیحی تعلیمات کی کھلی تحریف عیسائیت کے لیے ایک بدنما داغ بن گئی۔

حواشی ومراجع

۱۔ The Encyclopedia of Religion, 17,222

۲۔ میتھیو ہینری کامنٹری تفسیر الکتاب ۳/ ۷ ۵۳، چرچ فاونڈیشن سیمینار، لاہور، ۲۰۰۵ء

3- chrIstan perspectIve, P. 9Jacques E L, VolIence: Reflections from

۴۔ ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر۔ مجلس نشریات اسلام کراچی، ص 43،42

۵۔ Brefault,Robert .The Making of Humanity .P 164

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصر میں آزادیِ نسواں کی تحریک

اور اس کے اثرات

ڈاکٹر جاں نثار معین

خواتین کی حیثیت کا تاریخی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے حقوق سے محروم رہی ہیں۔ ان کے وجود کو اکثر تسلیم نہیں کیا گیا۔ کہیں ان کے انسان ہونے پر ہی سوالیہ نشان لگا دیا گیا۔ اس ضمن میں جرمن مصنف ہیڈوِنگ ڈوم Hedwing Dohm نے لکھا ہے: خواتین کی تاریخ درحقیقت ان کی حوصلہ شکنی اور عدم انصاف کی تاریخ ہے۔ یہ تاریخ کہتی ہے کہ مردوں نے تمام شعبہ ہائے زندگی میں خواتین کا استحصال کیا ہے''۔ ا۔ اگر کبھی انہیں انسان تسلیم کر بھی لیا گیا تو ایسا مردوں نے اپنے مفاد کی خاطر کیا۔

آزادیِ نسواں اصلاً مغربی اصطلاح ہے۔ تحریکِ آزادی نسواں بھی وہیں کی دین ہے۔ اس کا نقطہ آغاز فرانسیسی ماہر قانون خاتون Christine de Pizan (۱۳۶۵۔۱۴۳۰) کے خیالات کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس نے اپنی تحریروں میں عورتوں کی حالتِ زار پر تفصیل سے لکھا ہے۔ اس نے ایک جگہ ان الفاظ میں اظہارِ خیال کیا ہے:

> ''جب میں عورتوں کی حیثیت کے بارے میں سوچتی تھی تو میرا دل غم و اندوہ سے لبریز ہو جاتا تھا۔ یہ مجھے، بلکہ پورے طبقۂ نسواں کو بدمزہ کرتا تھا۔ ایسا لگتا، گویا ہم کائنات میں ننگِ انسانیت مخلوق ہیں... جب میرے ذہن میں مذکورہ خیالات آتے تو میرا سر شرم سے جھک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا، آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوجاتیں اور میں اپنی کرسی میں گڑ جاتی''۔ ۲؎

Pizan نے خواتین کی قدر و قیمت کو آشکار کیا۔ اسی لیے اس نے اپنی تحریروں میں کام یاب خواتین کی مثالیں پیش کی ہیں۔ اس طرح اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ خواتین کسی بھی کام میں مردوں سے کم تر نہیں۔ ان کی پس ماندگی دراصل تعلیم و تربیت سے محرومی کی وجہ سے ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اگر لڑکوں کی طرح لڑکیوں کو بھی تمام سہولتیں حاصل ہوں تو وہ کسی بھی میدان میں لڑکوں سے کم نہیں ہوں گی۔ اس کے ان نظریات نے صدیوں سے چلی آرہی فرسودہ روایت کو ختم کر دیا۔ اگلی تمام تحریکاتِ نسواں اس خاتون کے نظریات کے ساتھ اٹھارویں صدی تک جگہ جگہ مختلف صورتوں میں سرگرم رہیں۔ ان تحریکات کو Equal Rights Movements کا نام دیا گیا۔

یورپ میں نشاۃِ ثانیہ کے نتیجے میں مختلف میدانوں میں انقلاب آیا تو خواتین کی حالت میں بھی مثبت تبدیلیاں آنے لگیں۔ اس کوشش کو آزادیٔ نسواں یا تحریکِ نسواں کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے تحت خواتین مردوں کے شانہ بہ شانہ کھڑی ہوگئیں، صنفی مساوات کے نعرے بلند ہوئے۔ اس طرح یہ تحریک تمام یورپی ممالک میں تیزی سے پھیل گئی۔ اس معاملے میں فرانس سب سے آگے تھا۔

مصر میں تصورِ آزادیِ نسواں

مصر میں آزادیِ نسواں کی تحریک کا آغاز اس وقت ہوا جب اہل مصر کا فرانسیسیوں سے راست طور پر رابطہ ہوا۔ مصر سے متعدد تعلیمی وفود فرانس گئے۔ وہاں انھوں نے نہ صرف اعلیٰ تعلیم اور فنی مہارت حاصل کی، بلکہ فکری اعتبار سے بھی کسبِ فیض کیا اور سیاسی و معاشرتی افکار اپنے ساتھ مصر لائے۔ اسی زمانے میں پورے یورپ میں آزادیٔ نسواں کی تحریکیں زور و شور سے کام کر رہی تھیں۔ فرانس میں یہ تحریک شباب پر تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصر میں آزادیِ نسواں کے نتیجے میں خواتین کے لیے مردوں کے مساوی حقوق کا مطالبہ کیا گیا۔ یہ رجحان عالم اسلام کے دیگر ممالک کی طرح مصر میں بھی تیزی سے ابھر رہا تھا۔ اس عہد میں علمی اور معاشرتی میدانوں میں خاص طور پر خواتین کے حقوق پامال تھے۔لڑکیوں کے لیے تعلیمی ادارے نہ تھے، جب کہ لڑکوں کے لیے بہت سے ادارے موجود تھے۔اس وقت یہ تصور عام تھا کہ لڑکیاں علم حاصل کرلیں گی تو اس کا غلط استعمال کریں گی۔ اسی لیے انہیں صرف گھریلو ہنر، سلائی، کڑھائی اور مردوں کی خدمت کے کام سکھائے جاتے تھے۔اس سلسلہ میں محمد حسین ہیکل نے لکھا ہے:

> ''عورتوں کی تعلیم اس زمانے میں ایک انہونی چیز تھی۔ کوئی شخص، جو کہ جمہور کی رائے کا احترام کرتا ہو، لڑکیوں کو تعلیم نہیں دلا سکتا تھا۔ جہاں تک پردے کے عدم التزام اورعورت کے بے پردہ نکلنے کی بات ہے، اس کا شمار اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرنے میں ہوتا تھا۔اس زمانہ میں عورت کے بارے میں یہ چیز طے شدہ تھی کہ اسے تعلیم نہیں حاصل کرنی چاہیے اور اسے گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔اگر اسے کبھی کسی ناگزیر ضرورت پر نکلنا ہی ہو تو چہرے کو ڈھک کر نکلے''۔[۳]

ایسی صورتِ حال میں مصر میں فرانسیسیوں کی آمد نے متعدد تبدیلیوں کے ساتھ اپنے اثرات مرتب کیے۔ جیسے مرد وزن کے درمیان آزادنہ اختلاط کو رواج ملا، ڈرامہ نگاری، تھیٹر کا رواج، رقص وموسیقی،جس میں مرد اور خواتین دونوں شریک ہوتی تھے۔ کچھ فرانسیسیوں نے تو اسلام قبول کر کے مصری خواتین سے شادیاں بھی کرلی تھیں۔ان اسباب سے مصر پر فرانسیسی ماحول کے اثرات مرتب ہوئے۔ اس ضمن میں عبدالرحمن الجبرتی نے لکھا ہے:

> ''مصر میں جب فرانسیسی آئے تو ان میں سے بعض کے ساتھ ان کی عورتیں بھی تھیں۔ وہ لوگ عورتوں کے ساتھ سڑکوں پر ٹہلتے تھے۔ ان عورتوں کے چہرے کھلے ہوتے تھے۔وہ رنگ برنگے کپڑے پہنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے اپنے کندھوں پر کشمیری کپڑے اور رنگ برنگی کشیدہ کاری کی ہوئی چیزیں ڈالے ہوتی تھیں۔ وہ گھوڑوں اور گدھوں پر سوار ہوتی تھیں اور ہنسی قہقہے اور اٹھکیلیاں کرتے ہوئے ان کو تیز ہانکتی تھی۔ ان کو دیکھ کر خواہشاتِ نفس کی شکار فاحشہ اور نچلے درجے کی عورتیں ان کی طرف مائل ہوگئیں اور ان ہی کے جیسے رنگ ڈھنگ اختیار کرنے لگیں"۔ ۴؎

۱۷۹۸ء میں نیپولین کی قیادت میں مصر پر حملہ ہوا تو وہاں کی تہذیب پر اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ بالخصوص ادبی، سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور فکری سطح پر تبدیلیاں ہوئیں۔ فرانسیسیوں کی واپسی کے بعد مصر کے حکم راں محمد علی نے لڑکیوں کی تعلیم پر زور دیا، تاکہ مردوں کی طرح وہ بھی زیورِ تعلیم سے آراستہ ہوں۔

محمد علی نے لڑکیوں کی تعلیم کے لیے مدرسۃ الولادۃ ۱۸۳۰ء میں قائم کیا۔ ابتدا میں اس میں حبشی باندیوں کو داخلہ دلایا، پھر چند مصری لڑکیاں بھی داخل ہوئیں۔ اس مدرسہ کی فارغات میں سے بعض نے وہیں ملازمت کی اور اسی مدرسہ کے تحت المحاجر الصحیۃ (Health Centers) میں خدمات انجام دی۔ ۵؎ اس سلسلہ کو اسماعیل پاشا نے آگے بڑھایا۔ اس نے ایک مدرسہ قائم کیا، جس میں پانچ سو (۵۰۰) لڑکیوں کی تعلیم ہوا کرتی تھی۔ اس نے تعلیمی تحریک کے لیے اپنی بیویوں کو آگے بڑھایا۔ اس کام کے لیے اس کی تیسری بیوی جشم آفت ہانم افندی نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس نے سیوفیہ میں ایک مدرسہ قائم کیا، جس میں تین سو (۳۰۰) لڑکیاں پڑھ سکتی تھیں۔ اس کی دوسری بیوی طنجہ ہانم افندی نے ۱۸۷۳ء میں دوسرا مدرسہ قائم کیا۔ خدیو اسماعیل نے ہر بڑے شہر میں تعلیم نسواں کے لیے مدارس کھولنے کی کوشش کی۔ ۶؎

ایک فرانسیسی مصنف دارکور نے L,EGYPTE ET LES EGYPTIANS کے نام سے فرانسیسی زبان میں ایک کتاب لکھی، جس میں اہلِ مصر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تہذیب وتمدن پر سخت تنقید کی اور ان کی پستی اور جہالت کو نمایاں کیا۔ خاص کر مصری خواتین کے حجاب کا التزام کرنے، اپنی سرگرمیاں بچوں کی نگہ داشت، شوہر اور خاندان تک ہی محدود رکھنے اور سماج کے دیگر معاملات سے قطع تعلق رہنے پر مذمت کی۔ اس کتاب سے مسلمانوں میں زبردست ردعمل ہوا۔ اس کے جواب میں قاسم امین نے ایک کتاب قلم بند کی، جس میں انہوں نے مصر میں اسلامی تہذیب و معاشرت اور خواتین کی حیثیت کا دفاع کیا تھا۔ اس کے فوراً بعد مرقس فہمی نامی ایک عیسائی نے ایک کتاب 'المرأة فی الشرق' کے نام سے تصنیف کی۔ اس نے اسلام اور مسلمانوں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا، اسلامی حجاب کو بالکل ختم کرنے کا مطالبہ کیا، مرد وزن کے آزادانہ اختلاط کی حمایت کی، طلاق کا اختیار شوہر سے چھین کر قاضی کے حوالے کرنے، ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے پر پابندی عائد کرنے اور مسلمان خواتین اور قبطیوں کے درمیان رشتۂ ازدواج کی اجازت دیے جانے کی تجویز پیش کی۔ ے

مصر میں آزادیِ نسواں کا علم بلند کرنے والے

مصر میں آزادی نسواں کی تحریک ۱۹ ویں صدی عیسوی میں پروان چڑھی۔ اس زمانے میں معاشرتی اصلاح کی جد و جہد اور حقوقِ نسواں کی آواز بلند کرنے والوں میں شیخ جمال الدین افغانی نمایاں ہیں۔ احمد امین نے اس موضوع پر ان کے افکار وخیالات کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

> "افغانی کی مجلس میں مرد وعورت کے حقوق و فرائض اور دائرۂ کار اور پردہ کی بحث چھڑتی تو وہ ان موضوعات پر لمبی گفتگو کرتے تھے۔ ان کی رائے کا خلاصہ یہ ہوتا کہ عقلی بناوٹ میں مرد وزن مساوی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ مرد کا سر پورا اور عورت کا سر آدھا ہوتا ہے۔ ان کے درمیان جو تفاوت پایا جاتا ہے اس کا تعلق تربیت سے ہے۔ مرد کو گھر سے باہر کے کام انجام دینے ہوتے ہیں اور عورت گھر کی ذمہ داریاں اور بچوں کا کام سنبھالتی ہے۔ اس کا یہ کام مرد کی بہت سی ذمہ داریوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بڑھ کر اور زیادہ ہے۔ وہ شخص غلطی پر ہے جو ہر چیز میں مرد اور عورت کے درمیان مساوات کا مطالبہ کرتا ہے۔ مرد اور عورت میں سے ہر ایک کے مخصوص فرائض ہیں۔ اگر عورت خاندان سے محروم ہو اور اس کے حالات تقاضا کریں تو اس کے گھر سے باہر کام کرنے میں کوئی حرج نہیں، بس شرط یہ ہے کہ نیت پاکیزہ اور اطوار درست ہوں۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ میرے نزدیک بے حجابی میں کوئی حد نہیں، بشرطے کہ اس کو فجور کا ذریعہ نہ بنا لیا جائے''۔ ۸ے

افغانی کے علاوہ مصر کے دیگر ادبا اور مفکرین نے بھی آزادیِ نسواں کی بات کی۔ انھوں نے سب سے زیادہ تعلیم نسواں پر زور دیا۔ اس کے بعد دیگر حقوق کا بھی مطالبہ کیا۔ انہوں نے مرد و زن کے اختلاط کی کھلی اجازت دی، پردہ کو ایک فرسودہ روایت بتا کر اتار پھینکنے پر اکسایا۔ انہوں نے عورت کو یہ یقین دلایا کہ زمانہ کی ترقیوں کا ساتھ دینے کے لیے اسے سماج کی پابندیوں سے آزاد ہونا ہوگا۔ اور ہر اس کام میں حصہ لینا ہوگا جو مرد انجام دیتے ہیں۔ تعدد ازواج کو انہوں نے خواتین کے حقوق پر شب خوں قرار دیتے ہوئے اس پر پابندی کا مطالبہ کیا، مرد کے حقِ طلاق کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے خواتین کو بھی طلاق کا حق دیے جانے یا کم از کم مرد سے یہ حق لے کر قاضی کے حوالے کر دینے کی بات کہی۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ آزادی نسواں کی یہ تحریک برپا کرنے والے زیادہ تر مسلمان تھے، انہوں نے اپنے خیالات کو قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی کے ذریعہ مدلل کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح انہوں نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ اسلام نے خواتین پر کوئی پابندی عائد نہیں کی ہے۔

رفاعہ رافع طہطاوی کو جدید مصری فکر کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے مصر کی ثقافتی ترقی میں اہم کردار سرانجام دیا۔ انہوں نے تعلیم نسواں کی پہلی آواز بلند کی۔ وہ محض ایک عالم و ادیب ہی نہیں تھے، بلکہ ایک عظیم مصلح بھی تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب 'المرشد الأمین للبنات و البنین' میں خواتین کے لیے علم کے دروازے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھولنے کی دعوت دی ،تا کہ وہ اولاد کی تربیت، شوہر کے ساتھ حسن سلوک اور گھر کے معیار کی بلندی کے سلسلے میں اپنی مطلوبہ ذمہ داریاں ادا کرسکیں۔ساتھ ہی علم کی بنا پر وہ مکارمِ اخلاق سے آراستہ اور معاشرہ کی خدمات پر قادر ہوسکیں۔انھوں نے اپنی تصنیف میں خواتین کی حیثیت اور حقوق اور دیگر معاشرتی مسائل سے بحث کی، بالخصوص یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ شرافت یا بے حیائی کا تعلق پردے یا بے پردگی سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق درحقیقت تربیت سے ہے۔اگرکسی کی تربیت اچھی ہوتو اس سے عفت وشرافت کا مظاہرہ ہوگا،خواہ وہ پردے کا اہتمام کرے یا نہ کرے۔۹؎

احمد فارس الشدیاق نے اپنی تحریروں میں انگلینڈ اور فرانس کی تہذیب و تمدن، طرزِ معاشرت، رسم ورواج اورخاص طور سے خواتین کی آزادی و بے پردگی کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مرد وزن کے درمیان آزادانہ اختلاط کے حامی تھے اور پردہ کو فرسودہ سمجھتے تھے۔اسی لیے انہوں نے اپنی تصنیف میں جگہ جگہ برقعہ کوتضحیک کا نشانہ بنایا ہے۔انھوں نے فرانس کے مشاہدات واحساسات پر دو کتابیں لکھی ہیں: ’**الساق علی الساق فیما ھو الفاریاق**‘ اور ’**کشف المخبأ عن فنون أوربا**‘۔ ان میں اس نے حقوقِ نسواں سے متعلق بھی لکھا ہے۔ بالخصوص تعلیم نسواں پر ان کے نظریات کچھ اس طرح ہیں:

> ’’اگرتم یہ کہو کہ ہمارے پاس عربی میں ایسی کتابیں نہیں جوخواتین کے لیے مناسب ہوں تو میں کہوں گا کہ ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔لیکن کیا انگریزوں کے یہاں خواتین اوربچوں کے لیے ایسی مخصوص کتابیں نہیں ہیں جنہیں ماہرینِ فن اور دانش وروں نے تالیف کیا ہے۔ پھرتم ان سے دیگر سامان تو خریدتے ہو، لیکن علم ،حکمت اور آداب نہیں حاصل کرتے۔کوئی شخص اس بات سے انکارنہیں کرے گا کہ بچپن کی تعلیم پتھر کی لکیر ہوتی ہے‘‘۔۱۰؎

احمد فارس نے خواتین کے لیے اس طرح کی کتابیں پڑھنا پسند کیا جن میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخلاقیات ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ لڑکیاں فنون لطیفہ سیکھنے کا اہتمام کریں تو ان کا ذہن خرافات سے پاک رہتا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

"جہاں تک ہمارے ملک میں خواتین کو پڑھنا لکھنا سکھانے کا سوال ہے تو میرے نزدیک یہ ایک اچھی چیز ہے۔ بشرطے یہ کہ اس کا استعمال صحیح طریقے پر ہو اور وہ یہ کہ وہ ایسی کتابوں کا مطالعہ کریں جن سے اخلاق سنوریں اور املا درست ہوجائے۔ جب خواتین تحصیلِ علم میں مشغول ہوں گی تو سازشوں کا جال بننے، مکر و فریب اور حیلے تراشنے سے ان کی توجہ ہٹ جائے گی۔ شادی شدہ خواتین میری اس کتاب اور اسی جیسی دوسری کتابوں کا مطالعہ کرسکتی ہیں۔ جس طرح بعض کھانے صرف شادی شدہ لوگ کھاسکتے ہیں۔ یہی حال کلام کی بعض قسموں کا ہے"۔[۱۱]

اس زمانے میں تعلیم نسواں کی ترغیب دینا بڑی جرأت کی بات تھی، کیوں کہ لڑکیاں گھر کی چار دیواری میں بند رہ کر جہالت کی زندگی گزارتی تھیں۔ وہ گھریلو کام کاج، بچوں کی نگہ داشت اور دیگر گھریلو کاموں میں لگی رہتی تھیں۔

احمد فارس شدیاق نے اپنی دوسری کتاب 'کشف المخبّأ عن فنون اوربا' میں مردوں اورخواتین کے مساوی حقوق کی بات اٹھائی۔ ان کا خیال ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو ایک پہلو میں امتیاز دیا ہے تو خواتین کو بھی دوسری خصوصیات سے نوازا ہے۔ اس طرح دونوں کے درمیان توازن پیدا کیا ہے۔ مثلاً اگر مرد کو قوت و طاقت دی ہے، تاکہ وہ روزی کما سکے، تو عورت کو صبر، گھر کی دیکھ بھال اور بچوں کی تربیت کی صلاحیت دی ہے۔ اگر مرد کو مضبوط جسم عطا کیا گیا ہے تو عورت حسن و جمال کی مالک ہوتی ہے۔ مرد عزتِ نفس سے بہرہ ور ہے تو عورت کو حیا کی دولت ملی ہے۔

علی پاشا مبارک نے متعدد کتابیں قلم بند کی ہیں۔ ان کی کتاب 'عَلَم الدین' اصلاً سفرنامہ ہے۔ اس میں تاریخ، لغت اور دیگر علوم وفنون سے متعلق معلومات بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جابجا ملتی ہیں۔ اس کتاب کو غیر معمولی شہرت ملی۔ اس میں انہوں نے کنایہ اور محاکاۃ کے اسلوب میں معاشرتی اصلاح سے متعلق اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ اس میں یورپی کلچر کی ترقیوں کا ذکر ہے۔ اس کا مقصد اہل مصر کو بھی یورپی تہذیب سے استفادہ کی ترغیب دینا تھا۔ اسی طرح انہوں نے خواتین کی تعلیم وتربیت پر زور دیا اور انہیں جہالت وناانصافی سے آزادی دلانے کی کوشش کی۔

'علم الدین' جدید عربی ادب کا اولین نمونہ ہے۔ اس کا اسلوب افسانوی ہے۔ اس میں علی مبارک نے خواتین کی تعلیم وتربیت اور ان کے دیگر حقوق پر زور دیا ہے۔ مرد وزن کے درمیان پاکیزہ اختلاط کی اجازت دی ہے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے 'علم الدین' نامی ایک انگریزی سیاح کی زبانی کیا ہے،لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ خیالات خود ان کے بھی ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کے ہم وطن بھی انہی خیالات کے حامل بن جائیں۔علی پاشا تعلیم نسواں کے حامی تھے،تا کہ خواتین بھی علم ومعرفت کے اعلیٰ معیار تک پہنچیں۔

محمد عبدہ نے دیکھا کہ مصر معاشرتی ،سیاسی اور اخلاقی لحاظ سے انحطاط کا شکار ہے۔غیر ملکی تسلط نے مصری کلچر کی جڑیں کھوکھلی کردی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے نصابِ تعلیم میں جدید علوم کا اضافہ کیا۔ بالخصوص لڑکیوں کی تعلیم کو ضروری سمجھا، تا کہ وہ بھی عزت وتکریم کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔انہوں نے زندگی کے تمام امور میں عورتوں کو مردوں کے مساوی قرار دیا۔ انہوں نے جریدہ 'الوقائع المصریۃ' میں ۱۸۸۱ء 'حاجۃ الانسان الی الزواج' کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا،جس میں یہ وضاحت کی کہ شادی کا مقصد محض خواہشات کی تکمیل نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد ایک خاندان اور ایک معاشرہ وجود میں لانا ہے۔ ۱۲؎

عبدالرحمن الکواکبی نے اپنی کتاب 'ام القریٰ' میں تعلیمِ نسواں پر بہت زور دیا ہے اور عورت کی جہالت کو امت کی پس ماندگی اور انحطاط کا سب سے بڑا سبب بتایا ہے۔انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابیات کی مثال پیش کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے کہا ہے کہ عہدِ اول میں بڑی بڑی عالمات، فقیہات، شاعرات اور محدثات گزری ہیں، جو ہمارے لیے اس بات کا نمونہ ہیں کہ تعلیم خواتین کے لیے بھی ضروری ہے۔ علم عفت اور پاک دامنی کا ضامن ہے، جب کہ جہالت فسق وفجور کا ذریعہ ہے اور اولاد کی تربیت کے لیے بھی مضر ہے۔

قاسم امین عالم عرب میں ' محرّر المرأة (آزادیِ نسواں کا علم بردار) کے لقب سے جانے جاتے ہیں۔ ان سے پہلے اگرچہ متعدد حضرات نے خواتین کے حقوق کے سلسلہ میں اپنی آواز بلند کی تھی اور اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا، مگر ان کی دعوت صرف عورت کی تعلیم تک محدود تھی۔ زندگی کے دیگر مسائل پر اگر انھوں نے کچھ کہا تو بس سرسری طور سے نہایت مدھم آوازیں، لیکن قاسم امین نے تعلیم کے ساتھ دوسرے مسائل پر بھی خصوصی توجہ دی۔ انھوں نے پر زور انداز میں تعلیم کے ساتھ دیگر معاشرتی حقوق کی بات کہی اور عورت کی آزادی کو ایک تحریک کی شکل دے دی۔

قاسم امین کی کتاب تحریر المرأة' آزادی نسواں سے متعلق پہلی کتاب ہے۔ اس نے پورے عالم عرب میں تہلکہ مچادیا۔ اس سے قبل معاشرتی موضوعات پر اگرچہ متعدد کتب لکھی جا چکی تھیں، لیکن اس کتاب کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں خواتین کی تعلیم وتربیت پر زور دیا گیا ہے۔ قاسم امین نے لکھا ہے:

> "ضروری ہے کہ عورت بھی مرد کی طرح کم از کم ابتدائی تعلیم کرے، تاکہ اسے بھی علوم کی مبادیات سے واقفیت ہو۔ اس کے بعد اسے اجازت ہو کہ اپنے ذوق کے مطابق وہ جو علم چاہے، حاصل کرے"۔ ۱۳ے

سعد زغلول کا ۱۹۱۹ء میں برپا ہونے والی آزادی نسواں تحریک میں اہم کردار ہے۔ یہ قاسم امین کے گہرے دوست تھے۔ خواتین کے حقوق کے حامی تھے۔ انھوں نے ایک موقع پر ان الفاظ میں اظہار خیال کیا تھا: "میں آزادی نسواں کے حامیوں اور اس کے قائلین میں سے ہوں۔ اس لیے کہ آزادی کے بغیر ہم اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقصد کو نہیں پہنچ سکتے۔ میرا یہ یقین آج نہیں، بلکہ ایک طویل زمانے سے ہے۔ میرے مرحوم دوست قاسم امین بک نے اپنی کتاب **'المرأة الجدیدة'** میں (جس کا انتساب انھوں نے میری طرف کیا ہے) جن خیالات کا اظہار کیا ہے، میں ان سے متفق ہوں۔ مصری عورت نے ہماری وطنی تحریک میں جو کردار انجام دیا ہے۔ وہ بہت عظیم اور مفید ہے''۔ ۱۴؎

محمد حسین ہیکل بھی حقوقِ نسواں کے حامی تھے۔ اس موضوع پر کا شاہ کار ناول 'زینب' ہے، جسے انھوں نے پیرس کے زمانۂ طالب علمی میں ۱۹۱۰ اور ۱۹۱۱ء کے درمیان لکھا تھا۔ اس ناول میں جابجا بہت سی معاشرتی برائیوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ مثلاً نکاح کے معاملے میں عورت کے حقوق کو نظر انداز کیا جانا، خاندان کی تشکیل سے متعلق غلط نظریہ رکھنا وغیرہ اس کہانی کا مرکزی خیال ہے۔ منجملہ یہ ناول خواتین کے بنیادی حقوق کی عکاسی کرتا ہے۔

عبدالقادر المغربی عورت کی تعلیم کے حامی اور شرعی حجاب کے قائل تھے۔ انھوں نے قاسم امین کی آزادی نسواں کی دعوت کو سراہا اور اس کی دونوں کتابوں **'تحریر المرأة'** اور **'المرأة الجدیدة'** کو پسند کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ شرعی حجاب نہ تو یہ ہے کہ عورت ہمیشہ کے لیے گھر میں قید کردی جائے اور باہر کی دنیا سے اس کا رابطہ بالکل منقطع کردیا جائے اور نہ وہ ہے جس کی دعوت قاسم امین نے دی ہے، بلکہ حجابِ شرعی ان دونوں کے درمیان کی راہ ہے۔ انھوں نے یہ بات زور دے کر کہی ہے کہ حجاب کبھی عورت کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ ۱۵؎ انھوں نے صراحت سے اپنا نقطۂ نظر ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ''عورت انسانی مخلوق ہے۔ وہ مرد کے مثل قوتیں اور صلاحیتیں رکھتی ہے۔ علم کا حصول اس پر فرض ہے اور ضروری ہے کہ اسے مکمل آزادی حاصل ہو، تصرف کا اختیار ہو اور تمام حقوق حاصل ہوں''۔ ۱۶؎

احمد لطفی السید نے شیخ محمد عبدہ کے مکتبِ فکر سے کسبِ فیض کیا تھا۔ وہ قاسم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امین کی آزادی نسواں کی دعوت سے پوری طرح متفق تھے۔ ۱۸۹۷ء میں قاسم امین نے جنیوا میں اپنی کتاب 'تحریر المرأة' کے کچھ حصے انہیں سنائے تھے۔انہوں نے خود بھی 'الجریدة' میں حقوقِ نسواں کی حمایت میں متعدد مقالات لکھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے باحثہ بادیہ کی کتاب 'النسائیات' پر مقدمہ لکھا ہے، جس میں حقوقِ نسواں کی ان کی دعوت کی تعریف وتحسین کی ہے۔ ۱۷؎

لطفی السید نے اپنی کتاب 'المنتخبات' میں حقوقِ نسواں کو موضوع بنایا۔ خاص کر حجاب اور بے پردگی اور کم سنی کی شادی کے نقصانات بیان کیے۔ تعلیم یافتہ طبقہ میں شادی میں تاخیر کی مذمت کی اور طلاق کی کثرت اور تعدد ازواج کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔ انہوں نے تحریک نسواں کا تعارف کرانے کے لیے ایک مقالہ 'الحرکة النسائیة فی مصر' کے عنوان سے لکھا۔ وہ کہتے ہیں کہ "قوم کی آزادی کے لیے عورت کی آزادی ناگزیر ہے۔ اگر معاشرتی میدان میں ہماری خواتین آزاد ہو جائیں تو ہمیں قومی آزادی حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔"

ہدیٰ ہانم شعراوی نے دیکھا کہ مصری خواتین جہالت اور مظلومیت کی زندگی گزار رہی ہیں اور حکومت کی توجہ سے محروم ہیں۔ چنانچہ انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ تعلیم ہی عورت کو اس تاریکی سے نکالنے کا واحد راستہ ہے۔ انہوں نے حکومت سے خواتین کو تعلیمی مواقع اور سہولیات فراہم کرنے کا مطالبہ کیا۔ جامعة الدول العربیة کے قیام کے وقت ہدیٰ شعراوی نے ایک میمورنڈم بھیجا، جس میں خواتین کی جانب سے اس کی تائید کا اظہار کیا۔

باحثہ بادیہ نے ایک پاکیزہ معاشرہ کو وجود میں لانے کے لیے لڑکیوں کی تعلیم کے ساتھ دیگر معاشرتی مسائل کو بھی موضوع بحث بنایا، مثلاً نکاح، تعدد ازواج، پردہ وغیرہ۔ انہوں نے بے پردگی اور آزادانہ اختلاط پر بھی کھل کر بحث کی۔ انہوں نے قلم کے ذریعہ لڑکیوں کو ان کی بہت سی ذمہ داریوں کا احساس دلایا اور ان غلطیوں کی نشان دہی کی جن سے خاندان تباہی وبربادی کا شکار ہو جاتا ہے۔ انہوں نے لڑکیوں کو معاشرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا ایک اہم حصہ بتایا، ان کی صحیح اسلامی تربیت پر لوگوں کو ابھارا۔ انہوں نے خواتین کے لیے پردے کو ضروری قرار دیا اور بے پردگی کو فساد کی جڑ بتایا۔ مرد وزن کے آزادانہ اختلاط کی سخت مذمت کی۔ انہوں نے خواتین کے حقوق کی پرزور طریقہ سے حمایت کی۔ ۱۹۱۱ء میں باحثہ بادیہ نے پہلی مصری کانفرنس میں ایک تقریر کی، جس میں خواتین کے حقوق سے متعلق تفصیل سے بحث کی۔ ان کی تحریروں میں بھی معاشرتی اصلاح اور آزادی نسواں کے سلسلہ میں خاصا مواد موجود ہے۔ انہوں نے عورت کو معاشرہ کا ایک اہم حصہ بتایا۔ ان کا خیال تھا کہ معاشرہ کی ترقی عورت کی ترقی پر منحصر ہے۔ خواتین کو تعلیم سے آراستہ کرنا بہت ضروری ہے۔ عورت کی آزادی کا مطالبہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ عورت کی آزادی اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ اس کی گود میں پروان چڑھنے والی نسل بھی آزادی کی فضا میں سانس لے۔ انہوں نے مزید کہا کہ عورت کی آنکھوں سے اوہام وخرافات کے پردے ہٹائے جائیں، تاکہ زندگی کی حقیقت اور عظمت اس کے سامنے آشکارا ہو سکے۔

باحثہ بادیہ کی تصنیف 'النسائیات' مقالات کا مجموعہ ہے، جو انہوں نے خواتین کے مسائل پر لکھی تھی۔ وہ لڑکیوں کی درست تعلیم وتربیت پر زیادہ زور دیتی ہیں، تاکہ زوجیت کے فرائض، شوہر کی خدمت اور بچوں کی صحیح نگہ داشت کر سکیں اور اپنے وطن کی ترقی کے لیے بہترین خدمات انجام دے سکیں۔ وہ کم سنی کی شادی کی مخالف تھی۔ اسی طرح وہ عمر رسیدہ شخص کی شادی کم سن لڑکیوں سے کرنے کی بھی مخالف تھی۔ وہ کہتی ہیں کہ شادی کے وقت دونوں کی عمروں میں برابری کا خیال رکھا جائے، تاکہ دونوں پرسکون زندگی گزار سکیں۔ انہوں نے لکھا ہے:

> ''زوجین کی عمروں میں یکسانیت پر بڑی حد تک موافقت اور محبت کا دار و مدار رہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ لڑکی کی شادی اس وقت کی جائے جب وہ نکاح کی اہل اور اس کے مسائل برداشت کرنے کے لائق ہو جائے۔ ایسا سولہ (۱۶) سال سے پہلے نہیں ہونا چاہیے۔ کم عمر لڑکیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> کی شادی کھلواڑ ہے۔ اس میں متعدد وجوہ سے امت کی شقاوت ہے۔ مثلاً اس صورت میں ازدواجی مسائل پیدا ہوتے ہیں جس کا نتیجہ ہمیشہ ناموافقت یا علیٰحدگی کی صورت میں سامنے آتا ہے، کثرت سے بچوں کی اموات ہوتی ہیں، نسل کم زور ہوتی ہے اور خواتین اعصابی اور دیگر نسوانی امراض کا شکار ہوجاتی ہیں۔ دو مختلف عمر کے جوڑوں کے باہم نکاح سے بچے کم زور پیدا ہوتے ہیں اور زوجین میں ناموافقت جنم لیتی ہے۔ نیز فطرت کا دقیق نظام بدل جاتا ہے"۔ ۱۸؎

طٰہٰ حسین نے بھی آزادیِ نسواں کی پرزور حمایت کی۔ ان کے نزدیک آزادی کا حق جس طرح مرد کو حاصل ہے اسی طرح یہ حق عورت کو بھی ملنا چاہیے۔ ان کے نزدیک حجاب عورت کی آزادی پر قدغن ہے۔ اس لیے وہ عورت کو اسے اتار پھینکنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ۱۹۱۱ء میں انہوں نے مقالات کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا، جس میں اسی قسم کے خیالات پیش کیے تھے:

> "آزادی کے معاملہ میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ دونوں کو اچھے اخلاق کا حکم دیا گیا ہے، برے اخلاق سے روکا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ بدگمانی کے مواقع سے بچیں۔ عورت کو چاہیے کہ کسی اجنبی کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے، تنہا سفر نہ کرے اور جاہلیت اولیٰ کی طرح بناؤ سنگار نہ کرے۔ اس کے بعد اسے آزادی ہے، جو چاہے کرے، البتہ کوئی برا یا لغو کام کرنے سے احتراز کرے۔ اسی طرح اسے حق ہے کہ نقاب اتار پھینکے اور حجاب الٹ دے اور دنیا کی لذتوں سے اسی طرح بہرہ ور ہو جس طرح مرد لطف اندوز ہوتا ہے۔ پھر کوئی حرج نہیں کہ وہ ایسے کام انجام دے جو اس کی اپنی ذات کے لیے، اس کے شوہر کے لیے اور پوری نوع انسانی کے لیے اس پر واجب ہیں۔ یہ ہے اسلام کا حکم عورت کے بارے میں اور یہی ہماری بھی رائے ہے۔ جس سے ہم روگردانی کریں گے نہ کوئی دوسری رائے اختیار کریں گے"۔ ۱۹؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواتین کی سرگرمیاں

آزادیٔ نسواں کے علم برداروں کی کوششوں سے بیسویں صدی کے ربع اول میں لڑکیوں کو ثانوی مدارس میں علم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اعلیٰ تعلیمی ادارے ان کے لیے بند تھے، لیکن بہت جلد ۱۹۲۸ء میں ایک یونیورسٹی جامعہ فؤاد الاوّل قائم کی گئی، جس میں لڑکیوں کو پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ جب طہٰ حسین وزیر تعلیم ہوئے تو لڑکیوں کو تعلیم کی مزید سہولیات ملی۔ یہاں تک کہ انھیں یورپ اور امریکہ کی جامعات میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم ہوئے۔ [۲۰] جو لڑکیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکی تھیں، بعد میں انہوں نے ہی آزادی نسواں کو فروغ دیا۔ بعض خواتین وزارتی مناصب پر بھی فائز ہوئیں۔ اس طرح آزادی نسواں کی حامی مصری خواتین کا ایک ایسا گروپ تیار ہو گیا، جس نے خود اپنے حقوق اور مسائل کے لیے آواز بلند کی، حتیٰ کہ سیاسی اور سماجی میدانوں میں مردوں کی برابری کا دعویٰ کیا۔ اس کے لیے ان خواتین نے متعدد تحریکیں چلائیں، کانفرنسیں کیں اور احتجاجی مظاہرے کیے۔ ان خواتین کی سرگرمیاں صرف سماجی فلاح وبہبود تک محدود نہ تھیں، بلکہ انھوں نے رفاہی تنظیمیں، اسپتال، یتیم خانے اور تعلیم گاہیں بھی قائم کیں، تاکہ مریضوں، زخمیوں اور مفلوک الحال عوام کی خبر گیری اور دیکھ بھال ہو سکے۔ ۱۹۳۶ء کے ربع اخر میں **جمعیة حسین الصحیة** کا قیام ہوا۔ اس سوسائٹی کا نصب العین لوگوں کی مدد کرنا تھا۔

آزادی نسواں کی تحریک میں مصطفی فاضل کی بیٹی امیرہ نازلی فاضل نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ [۲۱] اس کے بارے میں مختلف نظریات ہیں۔ کسی نے اسے اسلام پسند کہا تو کسی نے امریکی ڈاکٹر سے اس کی شادی کی وجہ سے اسے مرتد قرار دیا۔ اہل مصر کے دانش ورحضرات میں شیخ محمد عبدہ، سعد زغلول، لقانی محمد بیرم اور قاسم امین وغیرہ اس کی مجلس میں شامل ہوتے تھے۔ انور الجندی نے لکھا ہے کہ قاسم امین نے جب دوق دار کور کی کتاب کا رد لکھا، جس میں مصری خواتین کے اوصاف وفضائل کو سراہا تھا اور یوروپی خواتین کی نقالی پر اعتراضات کیے تھے تو بعضوں نے کہا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قاسم امین کی تنقید کا نشانہ امیرہ نازلی کی شخصیت ہے۔ یہ سن کر امیرہ نازلی غیظ و غضب سے بھڑک اٹھیں، انہوں نے سخت باتیں کہیں، تب قاسم امین نے انہیں خوش کرنے کے لیے اپنی کتاب 'تحریر المرأۃ' لکھی۔ ۲۲؎

مصر میں آزادیِ نسواں کی تاریخ میں ۱۹۱۹ء ایک انقلابی موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سال خواتین نے چار دیواری سے نکل کر مردوں کے دوش بہ دوش برطانوی استعمار کے خلاف سڑکوں پر مظاہرے کیے اور جانوں کی قربانیاں پیش کیں۔ ۹/ مارچ ۱۹۱۹ء کو برطانوی استعمار کے خلاف مصری قوم نے پہلا احتجاجی جلوس نکالا۔ اس میں طلبہ بھی شامل تھے اور خواتین کھڑکیوں اور روشن دانوں سے نعرے لگا رہی تھیں۔ اگلے مظاہروں میں خواتین خود بھی شریک ہوئیں۔ اسی طرح کا مظاہرہ ۱۴/ مارچ کو بھی ہوا تھا جس میں مظاہرین اور برطانوی فوج کے درمیان جھڑپ میں ۱۲/ افراد شہید ہوئے، جن میں سرفہرست حمید خلیل نامی خاتون تھی۔ اس کی شہادت نے مصری خواتین کو مشتعل کر دیا۔ انہوں نے ۲۸ گھنٹوں کے اندر ایک احتجاجی جلوس نکالا۔ اس موقع پر جو میمورنڈم پیش کیا گیا، ان میں نہتھے مظاہرین پر برطانوی حکومت کی اندھا دھند فائرنگ کی مذمت اور اہل مصر کے حق آزادی کی حمایت کی گئی۔ اس مظاہرے کا نقشہ عبدالرحمن الرافعی نے کچھ اس طرح کھینچا ہے:

> ''خواتین دو صفوں میں ترتیب سے روانہ ہوئیں۔ وہ سب چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں لیے ہوئے تھیں۔ ایک بڑے جلوس کی شکل میں شاہ راہوں سے گزریں۔ وہ 'آزادی انقلاب زندہ باد' اور 'بیرونی اقتدار مردہ باد' کے نعرے لگا رہی تھیں۔ ان کے جلوس نے عوام کی نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور ان کے دلوں میں جوش و جذبہ اور پسندیدگی کی روح پھونک دی۔ ہر جگہ لوگوں نے تالیاں بجا کر اور نعرے لگا کر ان کا استقبال کیا۔ خواتین نے گھروں کی کھڑکیوں اور جھروکوں سے ان کی حمایت میں نعرے بلند کیے۔ قاہرہ کی اکثر آبادی، خواہ وہ مردوں کی ہو یا خواتین کی، اس عظیم اور بے مثال جلوس کو دیکھنے کے لیے امنڈ آئی اور انہی کی آواز میں آواز ملا کر نعرے بلند کرنے لگی''۔ ۲۳؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس احتجاجی جلوس نے مختلف سفارت خانوں میں پہنچ کر اپنا میمورنڈم پیش کیا۔ واپسی میں اس نے 'بیت الآمۃ' جانے کا قصد کیا۔ برطانوی پولیس نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی اور ان پر سختیاں کیں، لیکن جلوس برابر جاری رہا۔ بیت الآمۃ تک پہنچ کر وہاں احتجاجیوں نے بیرونی ممالک کے نمائندوں کو دوسرا میمورنڈم دیا، جس میں برطانوی حکومت اور پولیس کی شکایت تھی۔ اس میمورنڈم پر بہت سی خواتین نے دستخط کیے تھے۔ اس کے بعد ۷ / دسمبر کو ملنر کمیشن کے مصر آنے پر خواتین نے اس کے خلاف احتجاج کرنے اور اس کا بائیکاٹ کرنے کا پروگرام بنایا۔ انھوں نے ایک قومی کانفرنس بھی منعقد کی۔ اس مظاہرے نے انقلاب کی ایک لہر دوڑا دی، جس سے پورے مصر میں ہلچل مچ گئی، یہاں تک کہ پولیس نے کئی مقامات میں فائرنگ کردی، کئی خواتین شہید ہوگئیں، جن میں زیادہ تر برقع پوش تھیں۔

آزادیِ نسواں کی تحریک کو فروغ دینے میں ہدی ہانم شعراوی اور سعد زغلول کی بیوی صفیہ زغلول کا کردار بھی نمایاں ہے۔ ۲۴؎ ان احتجاجیوں نے تعلیم نسواں، تعدد ازواج، طلاق اور دیگر معاشرتی مسائل کو موضوعِ بحث بنایا۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ زوجین کے درمیان باہمی مودت و محبت مطلوب ہوتی ہے، اس لیے دونوں کی عمروں میں زیادہ تفاوت نہ ہونا چاہیے۔ اور نابالغ اور کم عمر لڑکیوں کے نکاح پر پابندی ہونی چاہیے۔ زیادہ بیویاں رکھنے سے پہلی بیوی کو تکلیف پہنچتی ہے، اس لیے تعدد ازواج ممنوع ہونا چاہیے۔ طلاق کو کم سے کم اور محدود کرنے کے لیے اس کا اختیار مرد سے لے کر قاضی کے حوالے کر دینا چاہیے۔

مصری صحافت

آزادی نسواں کی حمایت میں مصری صحافت کا بھی اہم کردار رہا ہے۔ ۱۸۸۲ء میں ماہانہ مجلہ 'الاستاذ' میں مدرسۃ البنات کے عنوان سے ایک کالم ہوا کرتا تھا، جس میں لڑکیوں کی تعلیم و تربیت پر لکھا جاتا تھا۔ علی یوسف نے المؤیّد نامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک روزنامہ جاری کیا، جس نے آزادی نسواں کے معاملے میں اہم کردار ادا کیا۔ قاسم امین نے خواتین کی اصلاح، تعلیم و تربیت کے علاوہ معاشرتی حقوق پر متعدد مضامین لکھے، جنہیں بعد میں 'اسباب و نتائج و اخلاق و مواعظ' کے نام سے کتابی شکل دی گئی۔ سب سے پہلے احمد لطفی السید کے مقالات ان کے روزنامے 'الجریدۃ' میں شائع ہوا کرتے تھے۔ اس طرح جب اس تحریک کو ترقی ملی تو یہ رسائل اسی نام سے جاری رہے۔ عبد الحمید حمدی نے ۱۹۱۵ء میں قاہرہ سے ہفتہ وار جریدہ 'السفور' نکالا۔ اس مجلہ میں حجاب اور اسلامی آدابِ معاشرت کے خلاف مضامین شائع ہوتے تھے۔ جرجی زیدان کے جریدہ 'الھلال' اور محمد حسین ہیکل کے جریدہ 'السیاسیۃ' میں بھی اس موضوع پر مضامین شائع ہوتے تھے۔ ۱۹۴۵ء میں دریہ شفیق نے نسائی حقوق کے لیے 'بنت النیل' مجلہ جاری کیا، جس میں آزادی نسواں کی فکر کو آگے بڑھایا۔ اس مجلہ کی مقبولیت کے بعد اس نے ایک تنظیم قائم کی، جس کا مقاصد خواتین کے غیر مساویانہ مسائل کا حل تھا۔ اس تنظیم کو سیاسی حقوق کا علم بردار سمجھا جانے لگا۔ اس تنظیم نے ۱۹۵۱ء میں بغیر اجازت پارلیمنٹ میں گھس کر اپنے مطالبات کا مظاہرہ کیا، جس کی بنا پر دریہ شفیق پر مقدمہ چلا۔ ۲۵ ء مصری دستور میں مرد و زن کو دستوری انتخاب کا حق دیا گیا، لیکن ارکان پارلیمان کو منتخب کرنے کا حق صرف مردوں کو دیا گیا۔ اس پر دریہ شفیق نے ۱۹۵۲ء میں ایک تحریک چلائی، لیکن کچھ مخالفین کی وجہ سے وہ کامیاب نہ ہوسکی۔ ۱۹۵۴ء میں دریہ شفیق نے نئے دستور کی تاسیسی کمیٹی کے قیام کے لیے مسلسل آٹھ دن بھوک ہڑتال کی، جس کے نتیجے میں حکومتی سطح پر اسے کچھ حد تک ہمدردی ملی۔

بیسویں صدی کے ربع اول تک خواتین کو ممبر شپ نہیں تھی۔ وہ الحزب الوطنی کے پروگراموں میں شرکت کرتی تھیں، اس کی کانفرنسوں میں اظہارِ خیال کرتی تھیں اور اس کے تحت ہونے والے مظاہروں میں شامل ہوتی تھیں۔ بہت جلد ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ خواتین خود کمیٹیاں اور سوسائٹیاں تشکیل دینے لگیں۔ مصری خواتین کو ۱۹۱۹ء کے انقلاب سے کافی حد تک دستوری مساوات حاصل

© rasailojaraid.com